ڈاکٹر نذر خلیق

خواجہ محمد یار فریدی......احوال و آثار

Hazrat Khawaja Muhammad Yar Fareedi was born at Gharhi Akhtair Khan near Khanpur District Rahim Yar Khan (Punjab) in 1881 and in 1948 at Lahore. He was educated from Chachran Sharif by Khawaja Ghulam Fareed who was a famous poet and saint of his age. Khawaja Muhammad Yar Fareedi was also a poet of Urdu, Persian and Saraiki and a saint too. He had left a "DEWAN" of Persian, Urdu and Saraiki.

خواجہ محمد یار فریدی کی عظیم شخصیت میں خطابت، ولایت، سیاست اور شعر گوئی کی صلاحیت اور خوبیاں تھیں۔ خواجہ محمد یار فریدی خان پور ضلع رحیم یار خان کے ایک بے آب و گیاہ قصبے گڑھی اختیار خان میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ محترم عبدالکریم نیک سیرت شخصیت تھے اور مذہب سے والہانہ لگائی رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے فرزندِ ارجمند کی مذہبی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ حضرت خواجہ محمد یار فریدی نے قرآن مجید اور فارسی کی کتابیں جلال پور کے مدرسہ میں پڑھیں۔ ان کے ابتدائی اساتذہ میں مولانا رحمت اللہ، مولانا محمد حیات اور مولانا تاج محمود شامل ہیں جنہوں نے دینی علوم کی روح آپ میں بیدار کر دی۔ اس کے بعد وہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے مدرسہ چاچڑاں شریف چلے گئے۔ انہوں نے اسی مدرسہ سے ۱۹۰۰ء میں دینی تعلیم میں فراغت کی سند حاصل کی۔ خواجہ فریدؒ جولائی ۱۹۰۱ء میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس کے بعد بھی وہ دس سال تک چاچڑاں شریف میں خواجہ غلام فریدؒ کے بیٹے خواجہ محمد بخش نازک کریم اور پوتے خواجہ معین الدین نے فیض اٹھاتے رہے اور آخر کار وہاں سے خلافت سے نوازے گئے۔ ۱۹۱۵ء میں حج بیت اللہ کیا۔ انہوں نے ۶۷ سال کی عمر میں ۱۹۴۸ء میں لاہور میں وفات پائی۔ (۱) انہیں حضرت میاں میر کے آستانہ کی دیوار کے ساتھ بیرونی جانب امانتاً رکھا گیا تاہم چھ ماہ بعد ان کو گڑھی اختیار خان موجودہ روضہ مبارک سے متصل جگہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ ۱۴ سال بعد موجودہ مزار مبارک میں منتقل کیا گیا۔ بعد از مرگ کی اس کیفیت کا اظہار خواجہ محمد یار فریدی نے اپنے ایک شعر میں یوں کیا ہے:

وہ خاکسار ہوں برہم میرا مزار رہا
کہ خاک ہوکے بھی ہر ذرہ اشکبار رہا (۲)

حضرت خواجہ محمد یار فریدی سحر بیان خطیب، پیرِ طریقت اور سب سے بڑھ کر شاعری میں تصوف کا تسلسلِ عظیم ہیں۔ سیّد محمد فاروق القادری لکھتے ہیں:

> ''ایک محفل میں آپ کو فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان بریلوی کی موجودگی میں منبرِ نبویؐ پر بٹھایا گیا۔ ایک عاشقِ رسول کی اس سے بڑی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے کہ سامنے بھی اپنے وقت کا نامور عالم، شیخِ طریقت اور بلند مرتبہ عاشقِ رسول ہو جو علم و معرفت کی تمام لطافتوں اور باریکیوں کو وہ سمجھتا ہو بلکہ خود اس راہ کا راہی ہو۔ خواجہ محمد یار فریدی نے اپنا مخصوص خطبہ شروع کیا تو فاضل بریلوی نے اٹھ کر آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور فرمایا ''سر آمدِ واعظینِ پنجاب'' (۳)

سیّد محمد فاروق القادری ایک اور جگہ خواجہ محمد یار فریدی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''ماضی قریب میں برصغیر میں بڑے بڑے نامور اور جادو بیان خطیب ہو گزرے ہیں مثلاً سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری بلاشبہ اردو زبان کے بہت بڑے خطیب تھے۔ عرصہ دراز تک متحدہ ہندوستان کا کونہ کونہ ان کے سحر انگیز خطبات سے گونجتا رہا ہے مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ انہیں خواجہ محمد یار فریدی ایسے متبع سنت، شب بیدار اور پیکر محبت کے نالوں سے قطعاً کوئی نسبت نہیں ہے۔ وہ الفاظ کی جادوگری اور آواز کی سحر انگیزی تھی جب کہ خواجہ محمد یار فریدی نے نصف صدی تک منبر رسولؐ پر درد و فراق کے ایسے نغمات چھیڑے جن سے انسان تو انسان چرند پرند اور در و دیوار بھی وجد میں آکر موم کی طرح پگھل اٹھے۔''(۴)

صاحبزادہ خورشید گیلانی اپنے ایک مضمون ''حضرت خواجہ محمد یار فریدی سحر البیان خطیب'' میں لکھتے ہیں:

''عالم لوگ خطابت کو فن سمجھتے ہیں اور خطابت کے مرتبے سے آگاہ نہیں جب کہ خطابت ورثہ نبوت ہے بشرطیکہ کوئی اس کے آداب جانتا ہو۔ اپنے وقت کا ہر پیغمبر اور مصلح ضروری نہیں کہ صاحب تصنیف ہو لیکن خطیب ہونا اس شخصیت کا جزوِ لازم رہا ہے لوگوں کے دل مائل کرنے، ان کی سوچ بدلنے اور انہیں اپنے حلقہ اثر میں لانے میں دیگر اسباب کے علاوہ انبیاء اور مصلحین کے اعجازِ نطق کا خاصہ رہا ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ اسی طرح صوفیاء کرام بھی اپنے حسن بیان، لہجے کی مٹھاس اور نفقطہ کے تقدس کے باعث ہزاروں اجڑے دلوں کو معمورہ ءِ جذبات و احساسات بنا چکے ہیں۔ ان کے ملفوظات کے مجموعے پتہ دیتے ہیں کہ صوفیا کو قرینے اور سلیقے سے بات کرنے کا کتنا ملکہ حاصل تھا اور زبان کی کمان سے باتوں کے تیر نکل کر کس طرح دل میں ترازو ہو جاتے تھے اور چاہنے والے اپنا سب کچھ ہار بیٹھتے تھے۔ خواجہ محمد یار فریدی کو بھی اللہ تعالیٰ نے گفتار شیریں، الفاظ کے حسن، موضوع کے انتخاب پیش کرنے کے سلیقے اور زبان و بیان کی نزاکتوں، لطافتوں سے خوب نوازا تھا جس کا وہ برمحل استعمال کرتے اور بڑے بڑے اجتماع کو ایک اکائی میں بدل دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرحوم سے مشرب کا اختلاف رکھنے والے یوں تو بہت کچھ تنقید کے پتھر پھینکتے تھے مگر یہ کہے بغیر انہیں بھی چارہ نہ تھا کہ یہ شخص جادو بیانی سے لوگوں کے دلوں کو کھلونا سمجھ کر کھیلتا تھا۔''(۵)

ان اقتباسات سے حضرت خواجہ محمد یار فریدی کی خطابت کے جوہر نمایاں ہو جاتے ہیں اور یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواجہ محمد یار فریدی کو خطابت کا جو ملکہ عطا کیا تھا وہ کسی سے کم نہیں تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ایک ویران اور بے آب و گیاہ علاقے سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنے دور کے بلاشبہ خطیب عظیم کہلانے کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر ناصر وحید لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ غلام مہر علی گولڑوی اپنی کتاب ''الیواقیت العہر یہ'' میں نے آپ کی تقریر حضرت میاں میر لاہوری کے عرس کے موقع پر سنی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے مبارک بیان کے دوران میں سامعین بحرِ عشق رسول میں غوطے کھا رہے تھے اور یوں چیختے تھے جیسے ان کی جان بدن سے نکالی جا رہی ہے مجھے ان کی تقاریر نے خاص طور پر تقریر کرنے کا ولولہ دیا۔'' (۶)

حضرت خواجہ محمد یار فریدیؒ کی شخصیت کے سیاسی پہلو کی طرف کسی نے دھیان نہیں دیا۔ حالانکہ ان کی سیاسی خدمات اس پہلو میں بھی بے مثال ہیں۔ وہ اس دور میں سرگرم عمل تھے جب تحریک پاکستان اور تشکیلِ پاکستان کے لیے جدوجہد کی جا رہی تھی لوگ یونی نیسٹ پارٹی کے ظلم وستم اور انگریزوں کے جبر و استبداد کا شکار ہو رہے تھے ان کو ''بنارس سنی کانفرنس'' میں پورے سرائیکی علاقے میں پاکستان کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے کے فرائض سونپے گئے۔ انہوں نے سرائیکی علاقے تک اپنے آپ کو محدود نہ رکھا بلکہ پنجاب کے ان علاقوں تک بھی رسائی حاصل کی اور کامیاب دورے کئے جہاں انگریز کی پروردہ پارٹی

یونین نیسٹ پارٹی کا اثر رسوخ تھا۔ وہ صوبہ سرحد بھی پہنچے اور پختون قوم کو قیام پاکستان کے فوائد سے آگاہ کیا۔ بیماری اور علالت کے باوجود پہاڑی علاقوں کا سفر کیا۔ سرحدی گاندھی عبداللہ خان، ڈاکٹر خان صاحب اور دیگر مخالفین پاکستان کو شکست فاش دی۔

درحقیقت حضرت خواجہ محمد یار فریدی کا دور ہنگامہ خیز دور تھا۔ برطانوی سامراج کا تسلط پورے برصغیر پر قائم ہو چکا تھا۔ کلیسا کے وارث تلواریں اٹھائے پھر رہے تھے۔ مسلمان غلامی کی دلدل میں پھنس چکے تھے۔ مغربی تہذیب پھیل رہی تھی اور اسلامی تہذیب کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ مال و دولت کی ہوس، عریانیت اور دہریت فروغ پا رہی تھی۔ انسانیت کی قبا تار تار تھی۔ ہر طبقۂ فکر متاثر ہو رہا تھا۔

حضرت خواجہ محمد یار فریدی بھی ان حالات سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے سیاست میں عملاً حصہ لیا لیکن اقتدار کی ہوس سے محفوظ رہے اپنی سیاست کو پاک صاف رکھا، صرف اور صرف اللہ کے دین کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے ایک ایسے ملک کے لیے کوشش کرتے رہے جو صرف اسلام کے لیے وقف ہو۔

حضرت خواجہ محمد یار فریدی نہ صرف خطیب اور سیاست کے شناور تھے بلکہ پیر طریقت اور ولایت کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز تھے۔ ان کی ذات سے بے شمار واقعات وابستہ تھے جس سے ان کے باخدا بزرگ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کا عشق رسول انہیں ولایت تک پہنچاتا ہے۔ سیّد محمد فاروق القادری اپنے مضمون ''حضرت خواجہ محمد یار فریدی اور عشق رسول'' میں لکھتے ہیں:

> ''راقم السطور کے جد امجد شیخ المشائخ سیّد سردار احمد قادری تین سال سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے آپ مولانا عبدالباقی لکھنوی ثم المدنی سے دورہ حدیث اور فصوص الحکم کی تکمیل کر رہے تھے کہ اس دوران میں ایک دفعہ آپ نے خواب میں سرور عالمؐ کی زیارت فرمائی آپ نے دیکھا کہ انتہائی ایک باوقار محفل میں ہزاروں لوگ حسبِ مراتب دم بخود بیٹھے ہیں اتنے میں سرورِ عالم کے اشارے سے خواجہ محمد یار اٹھے اور آپ نے مولانا جامی کی نعت کے یہ مصرے انتہائی پُرسوز آواز میں پڑھے۔
>
> وصلی اللہ علی نور کز و شُد نور ہا پیدا
> زمیں از حبِ او ساکن فلک در عشق او شیدا
>
> جب آپ اس مصرعے پر پہنچے۔
>
> محمد احمد و محمود دے را خالقش بستود
> ازو شد بودھر موجد ازو شود دیدہ ہا بینا
>
> تو وجد میں آ کر عالم کے حضور زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ میرے جدِ امجد نے مدینہ منورہ سے خط میں اپنے صاحبزادے (میرے والد گرامی) کو لکھا کہ خواجہ محمد یار فریدی کی خدمت میں جا کر انہیں مبارکباد پیش کریں اور میرا اسلام پہنچائیں۔ والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جونہی سلام پہنچایا خواجہ محمد یار فریدی ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف سر کے بل رینگنے لگے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہوگئیں اور زبان پر یہ لفظ تھے۔ ''وعلیکم السلام میرے حضور۔ وعلیکم السلام میرے حضور۔''(۷)

جہاں تک حضرت خواجہ محمد یار فریدی کی علمیت کا تعلق ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کی زیر صدارت احمد رضا خان بریلوی تقریر کرتے رہے ہیں۔ علامہ اقبال ان کے مشوروں پر عمل کرتے رہے ہیں اور مثنوی معنوی مولانا روم ان سے سنتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مثنوی مولانا روم کے پہلے شارح ومفسر مولانا مرزا محمد نذیر عرشی امرتسری نقشبندی ومجددی مرحوم نے اکثر آپ سے ملاقاتیں کیں۔ مختلف علوم بالخصوص مابعد الطبیعاتی علوم کے بارے میں انہوں نے مولانا محمد یار فریدی سے

استفادہ کیا بلکہ کہا جاتا ہے کہ مولانا مرزا محمد نذیر عرشی نے مثنوی کے بعض ادق مسائل کے حل کے لیے حضرت خواجہ محمد یار فریدی سے مشورہ کیا۔ حضرت محمد یار فریدی بیک وقت فارسی، اردو سرائیکی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں تصوف کا تسلسلِ عظیم نظر آتا ہے۔ وحدت الوجودیت اور روحانی احوال کے نقوش ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد یار فریدی کے دیوان ''دیوان محمدی'' میں جا بہ جا عرفان و آگاہی کے چشمے پھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

پروفیسر علامہ سیّد عبدالرحمٰن بخاری ریسرچ اسکالر قائداعظم لائبریری باغ جناح لاہور اپنے ایک مضمون ''پیکرِ عرفان و آگاہی'' میں لکھتے ہیں:

> ''خواجہ صاحب شاعری کے جس دبستانِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اس کا سرچشمہ تصوف اور روحانیت ہے اور اس کا مابہ الامتیاز فکر و درویشی، عشقِ حقیقی اور گداز قلب و روح ہے۔ اسلامی تہذیب دنیا کی تمام متند مکمل تہذیبوں کی طرح ایک مذہبی اور روحانی تہذیب ہے جس کی بہترین عکاسی تصور کے آئینے میں ہوتی ہے اس لیے یہ کہنا کہ ''تصور برائے شعر گفتن خوب است'' طنز نہیں بلکہ ایک بہت بڑی اور اساسی حقیقت کا اظہار ہے اور وہ یہ کہ مذہبی تہذیب میں انتہائی زندگی کے دیگر تمام گوشوں کی طرح شعر و ادب بھی مذہب اور روحانیت کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ مذہب، خدا اور بندے کے رشتے سے شروع ہو کر انسانی رشتوں کی تمام شکلوں کو اپنے دائرے میں سمو لیتا ہے اور اس کے زیر اثر شعر و ادب ان سارے رشتوں اور تہذیبی حوالوں کو ایک ایسے سچے اور کھرے روحانی تجربے کی شکل میں پیش کرتے ہیں جو شعر و ادب کے علاوہ کسی اور طرح پیش نہیں کیا جا سکتا۔'' (۸)

ایک اور جگہ پروفیسر علامہ سیّد عبدالرحمٰن بخاری لکھتے ہیں۔

> ''یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شاعری میں تصوف کی آمیزش اسلامی تہذیب کی بالکل ابتدائی صدیوں میں ہی ہو گئی تھی۔ ابوسعید ابوالخیر کی رباعیوں سے شروع ہو کر حکیم سنائی، خواجہ عطار، سعدی رومی، عراقی، شبستری، اوحدی، حافظ بیدل اور جامی سے ہوتی ہوئی برصغیر کی مختلف زبانوں فارسی، اردو، پنجابی، سندھی، سرائیکی اور پشتو وغیرہ کے بیسیوں شعرا مثلاً خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بوعلی قلندر، امیر خسرو، نظیری، عرفی، ظہوری، گرامی، شاہ لطیف، سلطان باہو، شاہ حسین، بلھے شاہ، میاں محمد بخش، خواجہ غلام فرید اور پیر مہر علی شاہ تک پہنچی۔ برصغیر کے انہی شعرا کی صفِ اول میں عہد آخری کے، صوفی شاعر ہمارے ممدوح، خواجہ محمد یار فریدی بیک وقت فارسی، اردو اور سرائیکی تینوں زبانوں کے قادرالکلام شاعر کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔'' (۹)

حضرت خواجہ محمد یار فریدی کی شاعری کا سلسلہ اس مکتبہ شعر و سخن سے ہے جن کا اوڑھنا بچھونا تصوف، روحانیت اور فقر و درویشی تھا اور جو تصوف برائے شعر گفتن خوب است کے قائل تھے اور اپنی شاعری میں اخلاقیات کی تبلیغ کرتا تھا۔ مخدوم رکن الدین اپنے مضمون ''خواص بحرِ توحید'' میں لکھتے ہیں۔

> ''محمد یار خالق اور مخلوق میں جدائی کے خیال کو قبول نہیں کرتے بلکہ وحدت الوجود کے مطابق ہر صورت میں رب کی صورت کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک رب کا مفہوم وہی ہے جو حضرت خواجہ غلام فرید اور شیخ اکبر محی الدین عربی نے بیان فرمایا۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں۔ یہ عالم حق تعالیٰ کی صورت ہے۔ رب کی ذات، رب کی صورت مقدسہ سے جدا نہیں ہے۔ عالم اور اس پر ابھرتی ہوئی تمام صورتیں دراصل اس کی ذات کا ظہور ہیں ممکنات اس کے اسماء اور مخلوقات اس کی صفات کے مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں اپنا ظہور خاص انداز

میں کرتا ہے۔حق تعالیٰ کو اپنے مظاہر سے وہی نسبت ہے جو روح کو جسم سے نبیوں کی تخلیق عام آدمی کی تخلیق سے افضل ہے۔اس لیے نبیوں کی ذات میں رب اپنی صفات کی تکمیل کرتا ہے۔اسی طرح نبی کی ذات میں اس کی ذات وصفات کا ظہور رہتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ خواجہ محمد یار نے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں رب کی ذات وصفات کو محسوس کیا اور اسی وسیلے سے رب کو محسوس کیا۔لہذا کہہ ڈالا:

''گر محمدؐ نے محمدؐ کو خدا مان لیا
پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں

محمدؐ محمدؐ پکیندیں گزر گئی
احد نال احمد ملیندیں گزر گئی
خدا کوں ڈھوسے محمدؐ دے اولے
محمدؐ کوں ڈہدیں ڈکھیندیں گزر گئی''(۱۰)

خواجہ محمد یار کے بارے میں مخدوم رکن الدین کے مضمون کا یہ اقتباس انہتائی معتبر تبصرہ ہے جو ان کی شاعری کا مکمل احاطہ کرتا ہے ایک اور شعر میں خواجہ محمد یار عشق رسول کو موحد کی شان یوں قرار دیتے ہیں:

شاہ توحید نے کیا شان بخشی ہے موحد کو
خدا کو جاننے والا خدا معلوم ہوتا ہے (۱۱)

وحدت الوجود اور عشق رسول ﷺ ہی ان کی شاعری کا مرکزی نکتہ اور مرکزی موجوع ہے۔اس موضوع کو سمجھنے کے لیے خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار بھی قابل توجہ ہیں:

نہ محمدؐ ہوں نہ احمدؐ نہ ہوں واحد نہ احد
مجھے سوچ تو فقط حیرت حیراں سوچ
کنارے یار سے نکلا نہیں محمد یار
جہاں رہا وہ محمدؐ سے ہمکنار رہا(۱۲)

خواجہ محمد یار فریدی کے بارے میں بشریٰ رحمٰن کے خیالات بھی قابل توجہ ہیں وہ لکھتی ہیں:

''حضرت خواجہ محمد یار فریدی کی شاعری طلبِ صل وطربِ صل کے اندر جذب وکیف دوری ورنجوری، رسائل و نارسائی، بندگی وزندگی کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے۔

دارالشفاء میں رہ کے میں بیمار کیوں رہوں
چارہ ہے جب تو میرا تو ناچار کیوں رہوں
ہم تو قرآن کے حافظ ہیں پڑھا کرتے ہیں
رخ محبوب انوکھا ہے یہ قرآں اپنا

''خواجہ محمد یار فریدی کی شاعری پر اپنے مرشد قبلہ خواجہ پیر سائیں فرید سائیں کی شاعری کا رنگ بھی چڑھا ہوا ہے کیا کیجئے جب مرشد قوسِ قزح کے سات رنگوں میں نظر آئے تو کوئی رنگ اپنا رنگ نہیں رہتا دراصل مرشد کا ہی رنگ صبغت اللہ کا مظہر ہے تو پھر اس کا رنگ حرف وآہنگ میں کیوں نہ چمکے گا۔

ہر ہِک دے وچ ہِک دا جلوہ
ہر جا ہِک دے ڈیرے (۱۳)

خواجہ محمد یار فریدی کی سرائیکی شاعری میں موسیقیت کا رچاؤ، فکر کی بلندی اور دل کی جذب و مستی میں ڈوبی کیفیتیں موجود ہیں۔ پروفیسر حفیظ تائب اپنے مضمون 'باغِ فرید کے بلبلِ فرید' میں لکھتے ہیں:

''دورِ موجود کے لوگوں کو نعت و منقبت کا یہ انداز ضرور چونکائے گا کہ اب تک نعت و منقبت زیادہ تر حضور کی سیرت و کردار کے حوالے سے لکھی جا رہی ہے جب کہ اس نعت و منقبت کی بنیاد انسان کامل کے ان تصورات پر ہے جن کا خلاصہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ نعت و منقبت کے اس انداز کو اپنا کر اسے مستقل فن بنانے کا جو کٹھن کام حضرت خواجہ محمد یار فریدی نے سرانجام دیا ہے اس کی ایسی مکمل اور خوب صورت مثال میری نگاہ سے اب تک نہیں گزری۔ انہوں نے خواجہ غلام فرید کی پیروی میں کافی کی صورت میں بھی نعت و منقبت میں کھلتے ہیں۔ وہ غزل کے مزاج اور ڈسپلن کو خوب جانتے ہیں اور اس صنف سخن کے وسیع تر امکانات سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے انہوں نے صوفیانہ نعت و منقبت کی وہ روایت قائم کی جس کے وہ موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔

ونج درد دی تفصیل کر، فرقان دی تنزیل کر
قرآن دی ترتیل کر، پھر روا ایویں ونج تے آ
ہم محمدؐ ہیں درس دیتے ہیں
عشقِ احمدؐ کی درس گاہ میں ہم (۱۴)

جہاں تک خواجہ محمد یار فریدی کا تعلق ہے تو ان کا فن، فصاحت، بلاغت، سادگی ادا، سلاست و روانی اور سراپا نگاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ وہ زبانوں کے مزاج سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے فارسی، اردو اور سرائیکی شاعری کی عظیم روایت کو سامنے رکھا اور اپنا ایک انفرادی رنگ پیدا کیا۔ ان کے فن کے انداز متنوع ہیں۔ زبان صاف، طرز بیان فطری اور انتہائی سادہ ہے۔ جذبے کے سمندر میں ڈوب کر شعر کہتے ہیں۔ فکر و فن کا حسین امتزاج ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔

محمد یار کی شاعری اور ان کی سیرت کو اگر ہم چند لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو اس طرح بیان کریں گے کہ وہ بے آب و گیاہ علاقے کا مردِ کامل تھا، مصنوعی روشنیوں والے مصنوعی لوگوں پر بھاری تھا۔ اس کا تعلق کسی دہلی، لکھنو، لاہور اور سمرقند و بخارا سے نہیں تھا بلکہ ان علاقوں کے بڑے بڑے شعراء، بڑے بڑے عالموں اور سیاست دانوں میں منفرد تھا۔ خواجہ محمد یار فریدیؒ کچے گھر میں رہے لیکن خلقِ خدا کے لیے جنت میں عالی شان گھروں کا انتظام کر گئے۔ مختصراً ہم اپنی بات ان کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں:

مذاہب دے جھگڑے اساں چھوڑ بیٹھے
محبت دا جھگڑا چھڑا کوئی نی سگدا (۱۵)

حوالہ جات/حواشی

۱۔ ڈاکٹر ناصر وحید، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔۔۔ اہلِ دانش کی نظر میں، گڑھی شریف خان پور ضلع رحیم یار خان، اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۶۴

۲۔ حضرت خواجہ محمد یار فریدی، دیوانِ محمدی، موسوم بہ انوارِ فریدی، آستانہ ءِ عالیہ حضرت خواجہ محمد یار فریدی گڑھی شریف خان پور ضلع رحیم یار خان ایڈیشن ہفتم مئی ۲۰۰۶ء ص ۲۲۵

۳۔ فاروق القادری، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ص ۱۱

۴۔ فاروق القادری، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ص ۱۲

۵۔ فاروق القادری، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ص ۶۱

۶۔ فاروق القادری، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ص ۶۴

۷۔ فاروق القادری، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ص ۱۳

۸۔ فاروق القادری، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ص ۲۵

۹۔ فاروق القادری، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ص ۴۸

۱۰۔ فاروق القادری، حضرت خواجہ محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ص ۳۸

۱۱۔ حضرت خواجہ محمد یار فریدی، دیوانِ محمدی، موسوم بہ انوارِ فریدی، آستانہ ءِ عالیہ حضرت خواجہ محمد یار فریدی گڑھی شریف خان پور ضلع رحیم یار خان ایڈیشن ہفتم مئی ۲۰۰۶ء، ص ۲۰۹

۱۲۔ حضرت خواجہ محمد یار فریدی، دیوانِ محمدی، موسوم بہ انوارِ فریدی، آستانہ ءِ عالیہ حضرت خواجہ محمد یار فریدی گڑھی شریف خان پور ضلع رحیم یار خان ایڈیشن ہفتم مئی ۲۰۰۶ء ص ۲۰۵، ۲۲۶

۱۳۔ بشریٰ رحمٰن، محمد یار فریدی، اہل دانش کی نظر میں، ص ۳۸

۱۴۔ پروفیسر حفیظ تائب، حضرت محمد یار فریدی۔ اہل دانش کی نظر میں ۔ص ۱۴

۱۵۔ حضرت خواجہ محمد یار فریدی، دیوانِ محمدی، موسوم بہ انوارِ فریدی، آستانہ ءِ عالیہ حضرت خواجہ محمد یار فریدی گڑھی شریف خان پور ضلع رحیم یار خان ایڈیشن ہفتم مئی ۲۰۰۶ء ص ۲۲۶